انشائیہ

مجھے نیند نہ آئے

فریدہ بیگم
ایم فل (اردو) مانو، حیدرآباد
begumfareeda05@gmail.com

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو یہ دعا کرے کہ مجھے نیند نہ آئے، لیکن ہم جو غلطی سے اس دنیا کے باسی بن چکے ہیں تو ہر وقت یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ نیند نہ آئے۔ اب آپ سوچ رہے ہونگے کہ آخر ہم ایسی بے تُکی دعا کیوں مانگ رہے ہیں تو چلئے ہم آپ کی اس غلط فہمی کو بھی کو دور کر دیتے ہیں۔

ہم فطری نیند یعنی رات میں نیند نہ آنے کی دعا نہیں کرتے بلکہ ہم تو اس نیند کی بات کر رہے ہیں جو گچی باؤلی اور ہمارے گھر کی مَسافت کے درمیان سِٹی بس میں ہم پر حملہ آور ہوتی ہے اس نیند کو بھگانے کی فکر میں ہم اس طرح پریشان رہتے ہیں جیسے رات میں چین کی نیند سونے والا شخص ایک مچھر کو اڑانے میں پریشان رہتا ہے۔ اور اُس نیند کا حملہ ایسا کاری ہوتا ہے کہ ہم بے بس ہو جاتے ہیں۔ اور کئی بار تو ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا اسٹاپ گزر جاتا ہے لیکن آنکھ ہی نہیں کھُلتی اور اسٹاپ کے گزرنے پر ہم اس طرح سے چونک کر اٹھتے ہیں جیسے ہمیں کسی نے چونکا مارا ہو اس موقع پر یک لخت آنکھوں سے نیند کے غائب ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے ہوش وحواس بھی غائب ہو جاتے ہیں، اب منزل مقصود تو پیچھے نکل چکا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگلے اسٹاپ پر اُتر کر ہم کو گیارہ نمبر کی بس سے یعنی پیدل گھر جانا پڑتا ہے۔

یہاں ہم اُس نیند کا ذکر بھی کر دینا چاہتے ہیں جو اکثر کمرے جماعت یعنی کلاس روم میں ہم پر ہی نہیں بلکہ تقریباً طلبا پر حاوی ہو جاتی ہے اس وقت کوئی اپنی آنکھیں زبردستی پھاڑ پھاڑ کر اپنی نیند کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کوئی بار بار عینک کو صاف کر کے اور کوئی تو پانی پر پانی ہی پیئے جاتا ہے لیکن یہ کم بخت نیند کسی جونک کی طرح ایسے آنکھوں سے چپکی ہوتی ہے کہ بھاگنے کا نام ہی نہیں لیتی ہے۔ اس نیند کی مٹھاس تو بیان کرنا مشکل ہے۔ اس وقت ایسا سوچتی ہوں کہ سر ابھی چھٹی دے دے تو سونے کے علاوہ کوئی کام نہ ہوگا۔ لیکن یہ خواب روزِ اول سے اب تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا ہے۔

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی ہیں

تیری زلفیں جس کے بازوں پے پریشاں ہو گئیں

خوبصورت ہے تیری آنکھیں راتوں کو جاگنا چھوڑ دے
خود بہ خود نیند آجائے گی مجھ کو تو سوچنا چھوڑ دے

کلاس میں مذکورہ اشعار کو سمجھایا جارہا تھااور تفصیل کے ساتھ نیند اور سونے کے بارے میں گفتگو ہو ہی تھی۔ اور پڑھانے والے سر کو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ ہم نے سوچنا تو کبھی نہیں چھوڑا ہے کیوں کہ ابھی ہم سر کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے کہ کہیں اچانک ہماری آنکھ نہ لگ جائے اور سر کے سامنے ہماری نیند کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے لیکن یہ سوچ ان لوگوں کی تھی جو چشمے والے نہیں تھے۔ چونکہ عینک لگانے والوں کے لئے تو چشمہ طلسمی حجاب کے مانند ہے اسکے پیچھے کچھ بھی کرو سامنے والے کو کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ بہر حال کلاس روم میں ایک اطمینان یہ ہوتا ہے کہ اس مرض کا شکار صرف ہم ہی نہیں ہیں بلکہ کلاس میں اور بھی لوگ ہیں جو اس نیند کی بہتی ہوئی گنگا میں اپنے ہاتھ دھوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہمارے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر مصیبت ایک پر ہو تو اسکی شدت زیادہ ہوتی ہے لیکن جب تمام لوگ اسی مصیبت میں گرفتار ہوں تو اسکی سختی کم ہو جاتی ہے۔ اپنے ساتھ سب کو ڈھلتے دیکھ کر یہی شعر ہماری نیند بھری سوچ میں گونجتا رہتا ہے:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

☆☆☆